زیرِ سرپرستی : یادگار خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ پوسٹ بکس نمبر 2074 جامع مسجد قدسیہ
بالمقابل چڑیا گھر، شاہراہ قائدِ اعظم لاہور ۔ پوسٹ کوڈ نمبر: 54000 ☎ 042 - 6370371 042 - 6373310

ناشر: انجمن احیاء السنۃ (رجسٹرڈ) نفیر آباد، باغبانپورہ لاہور ۔ پوسٹ کوڈ: 54920
فون: 6861584 - 6551774 - 042

جو اک بے غلامی کا ہے زیبِ مسلم
کہ ہر چیز موزوں ہے اپنے محل میں
یہ اعمالِ بد کی ہے پاداش ورنہ
کہیں شیر بھی ہوتے جاتے ہیں جل میں

مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

محی السنہ حضرت مولانا شاہ **ابرار الحق** صاحب مدظلہ العالی
خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

ناشر انجمن احیاء السنہ (رجسٹرڈ)
نفیر آباد باغبانپورہ لاہور ، پوسٹ کوڈ : ۵۴۹۲۰

سبیل النجاۃ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

انجمن احیاء السنۃ

دعوۃ الحق

سلسلہ نشر و اشاعت نمبر ۱۰۰

نام کتاب ——— سبیل النجاۃ

وعظ ——— محی السنۃ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم عمت فیوضہم

خلیفہ مجاز : حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ

اشاعتِ سوم ——— جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ بمطابق جولائی ۲۰۰۴ء

ملنے کے پتے

لٹریچر کی ترسیل بذریعہ ڈاک صرف ان پتوں سے ہوتی ہے۔

یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

بالمقابل چڑیا گھر۔ شاہراہ قائد اعظم۔ لاہور۔ پوسٹ بکس نمبر 54000:

پوسٹ بکس نمبر 2074 فیکس: 042-6370371 فون: 042-6373310

E-mail: khanqahlhr@hotmail.com

انجمن احیاء السنۃ (رجسٹرڈ) نفیر آباد ۵ باغبانپورہ ۵ لاہو پوسٹ کوڈ: 54920

فون: 6551774 - 042-6861584

نگران اشاعت ڈاکٹر عبد المقیم خلیفہ مجاز: عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

رہائش 32 راجپوت بلاک نفیر آباد باغبانپورہ۔ لاہور فون: 042-6551774 - 042-6861584

Mobile:0300-9489624 E-mail: dramuqueem@yahoo.com

صفحہ نمبر

صفحہ نمبر

بسم اللہ تعالیٰ

عرض مرتب

۶ تا ۸ ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کو محی السنۃ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کا قیام فیض العلوم خیدرآباد میں تھا وہاں کے زمانہ قیام کی ایک عمومی مجلس میں نجات کا راستہ کیا ہے ؟ کے عنوان سے حضرت والا مدظلہ نے وعظ فرمایا تھا جو کہ اس علاقہ کے پندرہ روزہ اخبار "بنیات" میں اس وقت شائع ہوا، ہم نے اسی سے نقل کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ موضوع کی اہمیت اور اسکی ضرورت کا معاملہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کا ایمان و عقیدہ ہے کہ زندگی عارضی و فانی ہے اور اصل زندگی مرنے کے بعد آخرت والی زندگی ہے اور اس عارضی زندگی میں جو عمل کیا ہے اس کا صلہ دائمی زندگی میں ملے گا، اس کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ آخرت والی زندگی میں نجات اور کامیابی حاصل ہو جائے لیکن سوال یہ ہے کہ اس کا راستہ کیا ہے ؟ چنانچہ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے جو جواب دیا اسی کی تشریح و توضیح حضرتِ والا مدظلہ نے فرمائی ہے جس کو ہم اس وقت حضرت والا مدظلہ کی اجازت و نظر ثانی کے بعد پیش کر رہے ہیں۔

دورانِ وعظ جن آیاتِ قرآنی و احادیث پاک کا ذکر کیا گیا ہے ان کو اصل الفاظ میں مع حوالہ پیش کیا گیا ہے اور کچھ نئے ضروری اور قیمتی مواد کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

حق تعالیٰ اس کو قبول فرما کر اُمتِ مسلمہ کو اس سے پورے طور پر مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین!

والسلام

محمد افضال الرحمٰن

مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی یوپی ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ۔

عَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا النَّجَاۃُ؟ قَالَ اَمْلِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ وَ لْیَسَعْکَ بَیْتُکَ وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ (ترمذی صفحہ ۶۳ جلد ۲)

حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ نجات کا راستہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کی حفاظت کرو اور بلا ضرورت اپنے گھر سے نہ نکلو اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔

حضرات! اس وقت ایک حدیث پاک پڑھی ہے جس میں نجات کی حقیقت

اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

دُنیا ایک مسافر خانہ ہے

اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ دُنیا ایک مسافر خانہ ہے کہ یہاں آنے اور جانے کا سلسلہ چل رہا ہے جو بھی یہاں آیا ہے۔ اس کو بہر حال ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہے، کسی کا نمبر پہلے ہے اور کسی کا بعد میں ہے لیکن دُنیا میں کوئی نہ تو اپنے آپ آیا ہے اور نہ اپنے اختیار سے جائے گا بلکہ سب کو حق تعالےٰ نے اپنے ارادہ اور مشیت سے بھیجا ہے

لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

دُنیا میں کیوں بھیجا گیا؟

اب رہا یہ سوال کہ دُنیا میں کیوں بھیجا گیا تو قرآن پاک میں فرمایا گیا:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (پ ۱۸)

ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یوں ہی مہمل پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے سو اللہ تعالےٰ بہت ہی عالی شان ہے جو کہ بادشاہِ حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں، عرش عظیم کا مالک ہے۔ (ترجمہ از بیان القران جلد نمبر ۷، صفحہ ۱۰۳)

بلکہ ایک کام کے تحت پیدا کیا ہے وہ عبادت اور طاعت ہے اور اسی میں اختیار دے کر امتحان لیا ہے۔ چناں چہ فرمایا گیا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (پ ۲۷، ع ۲)

اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔

(ترجمہ از بیان القرآن جلد نمبر ۱۱ صفحہ نمبر ۵۷)۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے

اب اس کام کو کر کے جانے والے کو وہاں راحت ہوگی اور بغیر کام کیے جانے والے کو کلفت اور سزا ملے گی۔ جس طرح دُنیا کے ملازمین کو اچھی خدمات پر تاحیات پنشن ملتی ہے اور کوتاہی پر معطلی اور سزا ملتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لیے راحت اور مشقت کی جگہ بنائی ہے راحت کی جگہ جنّت اور مشقت و تکلیف کی جگہ دوزخ ہے فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ. نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ ط نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ع (پ ۲۴ - ع ۱۸)

جن لوگوں نے دل سے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہے، ان پر فرشتے اُتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو، جس کا تم سے پیغمبروں کی معرفت وعدہ کیا جایا کرتا تھا، ہم تمھارے رفیق تھے دینوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمھارے لیے اس جنت میں جس چیز کو تمھارا جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمھارے لیے اس میں جو مانگو گے موجود ہے (ترجمہ از بیان القرآن جلد ۱۰ ص ۵۱)

استقامت کی حقیقت

استقامت ایک مختصر لفظ ہے مگر جامع ہے جس میں پورے احکام پر عمل کرنا اور تمام محرمات و مکروہات سے بچنا شامل ہے مشہور محدث ملا علی قاریؒ استقامت

کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ :

اِمْتِثَالُ کُلِّ مَامُوْرٍ وَاجْتِنَابُ کُلِّ مَحْذُوْرٍ فَیَدْخُلُ فِیْہِ اَعْمَالُ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْدَانِ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِسْلَامِ وَالْاِحْسَانِ ۔

استقامت کے معنٰی یہ ہیں کہ تمام ماموارت کی بجا آوری اور سارے ممنوعات سے بچنا اس لیے اس کے مفہوم میں سارے اعمال آگئے خواہ ان کا تعلق قلب سے ہو یا بدن سے اور وہ ہے ایمان، اسلام اور احسان ۔

(مرقات جلد ۱ صفحہ ۸۴)

بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی فرماتے ہیں :

وَالْمُرَادُ بِالْاِسْتِقَامَۃِ الْاِعْتِدَالُ وَعَدَمُ الزَّیْغِ وَالْاِنْحِرَافِ عَنِ الْحَقِّ بِوَجْہٍ مِّنَ الْوُجُوْہِ لَا فِی الْاِعْتِقَادِ وَلَا فِی الْاَخْلَاقِ وَلَا فِی الْاَعْمَالِ ۔ (تفسیر مظہری جلد ۸ صفحہ ۲۹۲)

استقامت سے مراد معتدل رہنا ہے اور حق سے منحرف نہ ہونا کسی بھی طریقہ میں نہ اعتقاد میں نہ اخلاق میں، نہ اعمال میں ۔

اسی جامعیت کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَلْاِسْتِقَامَۃُ اَنْ تَسْتَقِیْمَ عَلَی الْاَمْرِ وَالنَّہْیِ وَلَا تَرُوْغُ رَوَغَانَ الثَّعَالِبِ ۔ (تفسیر مظہری جلد نمبر ۸، صفحہ نمبر ۲۹۲)

استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے احکام اوامر و نواہی پر سیدھے جمے رہو اور اس سے اِدھر اُدھر راہ فرار لومڑیوں کی طرح نہ نکالو ۔

جنت ہے یا دوزخ ہے

توجن لوگوں نے سچے دل سے اقرار کیا اور پھر اس پر استقامت دکھائی

تو ان لوگوں کے لیے ترقی ہے لازوال جنت ہے ورنہ سزا اور دوزخ ہے جس طرح ملازمین اور طلبہ قول و قرار کرتے ہیں اور اس کی پابندی کرتے ہیں تو ترقی اور سند ملتی ہے، ورنہ وعدہ خلافی اور حکم عدولی کی وجہ سے تنزلی معطلی اور اخراج ہو جاتا ہے ایسے لوگوں کے لیے فرمایا گیا ہے :

فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ۙ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۙ لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ
اِنَّهُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ (پ ۲۷، ع ۱۵)

وہ لوگ آگ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھویں کے سایہ میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش ہوگا۔ وہ لوگ اس کے قبل یعنی دُنیا میں بڑی خوش حالی میں رہتے تھے (ترجمہ از بیان القرآن جلد ۱۱ ص ۹۶)

یہیں آخرت کی تیاری کرنا ہے

دُنیا کے اندر بھی آدمی سفر کرتا ہے، اس میں راحت کی فکر کرتا ہے، اس کے لیے انتظامات کرتا ہے، آرام کے لیے تخصیص جگہ ریزرویشن کراتا ہے مگر کبھی کبھی ٹکٹ لے کر بھی ریزرویشن نہیں ہوتی، مگر آخرت کے لیے ایسا نہیں ہوتا ہر ایک کا ریزرویشن پہلے سے ہے تو ہم سب کو بھی دُنیا کے سفر کی طرح ایک اور سفر کرنا ہے اور وہ آخرت کا سفر ہے، اس کے لیے بھی اسی دُنیا میں رہ کر تیاری کرنا ہے تاکہ سہولت و آسانی، راحت و آرام کے ساتھ آخرت کا سفر ہو، وہاں پہنچ کر ہر قسم کا چین و آرام حاصل ہو۔

نجات کا راستہ کیا ہے؟

اور ظاہر ہے کہ ہر صاحبِ ایمان اور مسلمان کی یہی خواہش ہوتی ہے، اسی لیے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ بھائی نجات ہو جائے تو بڑی بات ہے

دراصل دیکھنا یہی ہے کہ نجات کیا ہے؟ اور نجات کس کو حاصل ہوگی؟ چناں چہ اس سلسلہ میں ترمذی شریف میں مختصر حدیث ہے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی کہ انہوں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یارَسُولَ اللّٰہِ! مَا النَّجَاۃُ؟ اے اللہ کے نبیؐ! نجات کا راستہ کیا ہے ظاہر ہے کہ پوچھنے کا مقصد ایسی باتوں کا معلوم کرنا تھا جو فرائض وواجبات کے علاوہ ہیں کہ ان کو اہتمام سے کیا جائے، جس سے جنت کی راہ آسان ہوجائے۔

زبان کی خصوصیت اور اس کی وسعت

تو آپؐ نے فرمایا:
اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ

"اپنی زبان کو قابو میں رکھو" پہلی تاکید یہی ہے کہ زبان کو قابو میں رکھا جائے' زبان اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے' فرمایا گیا:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ (پ ۳۰، ع ۱۵)

کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے۔

(ترجمہ از بیان القرآن جلد ۱۲، صفحہ ۹۹)

انسان کے جسم میں جتنے بھی اعضاء ہیں ان سب کا ایک کام ہے۔ مثلاً آنکھ ہے اس کا کام ہے رنگوں اور صورتوں کا دیکھنا، کانوں کا کام ہے الفاظ وحروف اور آوازوں کا سننا، ناک کا کام ہے خوشبو وغیرہ سونگھنا، غرضیکہ ہر عضو کے کام کا ایک دائرہ ہے جس میں محدود رہ کر وہ کام کرتے ہیں مگر زبان ایک ایسا عضو ہے کہ اس کا کام اور اس کے استعمال کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّ مَا مِنْ مَوْجُوْدٍ اَوْ مَعْدُوْمٍ، خَالِقٌ اَوْ مَخْلُوْقٌ مَعْلُوْمٌ اَوْ مَوْهُوْمٌ

اِلَّا وَاللِّسَانُ یَتنا وَلُہٗ فَیَتَعَرَّضُ لَہٗ بِاِثْبَاتٍ اَوْنَفْیٍ وَھٰذِہٖ خَاصِیَّۃٌ لَا تُوجَدُ فِیْ سَائِرِ الْاَعْضَاءِ (تفسیر کبیر جلد ۲۲، صفحہ ۴۶)

دُنیا کی کوئی شے خواہ موجود ہو یا معدوم ہو اس کا تعلق خواہ خالق سے ہو خواہ مخلوق سے ہو، خواہ وہ معلوم و متعین ہو یا وہمی و ظنی ہو وہ زبان کے دائرہ اور اس کی وسعت سے باہر نہیں، اثبات یا انکار میں انہیں استعمال کرتی ہے اور یہ خصوصیت زبان کے علاوہ اور کسی عضو میں نہیں پائی جاتی ہے

بقامت کہتر و بقیمت بہتر

زبان دیکھنے میں تو چھوٹی سی ہے لیکن اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے بقامت کہتر و بقیمت بہتر کی مصداق ہے، کہ قلب جو کہ علوم الٰہیہ اور معارف و حقائق کا حامل ہے یہ اس کی ترجمان ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَللِّسَانُ تَرْجُمَانُ الْقَلْبِ وَخَلِیْفَتُہٗ فِیْ ظَاهِرِ الْبَدَنِ (مرقات جلد ۹ صفحہ ۱۵۱)

زبان قلب کی ترجمان ہے اور ظاہر بدن میں اس کی نائب ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَاشَکَّ اَنَّ اللِّسَانَ هُوَ الْاٰلَۃُ فِیْ اَعْضَاءِ الْمَعَارِفِ فَوَجَبَ اَنْ یَکُوْنَ اَشْرَفَ الْاَعْضَاءِ (تفسیر کبیر جلد ۲۲، صفحہ ۴۶)

بلاشبہ زبان معارف و حقائق کے اظہار کا ذریعہ ہے اس لیے ضروری ہے کہ اشرف ترین عضو ہو۔

زبان کو جہاں یہ شرف حاصل ہے کہ وہ قلب کی ترجمان ہے وہیں یہ بات بھی ہے کہ اس تعلق خاص کی وجہ سے جو بات زبان سے نکلتی ہے انسان کا دل اس

کے اثرات قبول کرتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چوں سخنہائے زشت گوید دل تاریک شود، چوں سخن حق گوید دل روشن شود (کیمیائے سعادت صفحہ ۲۸۳)
انسان اپنی زبان سے جب بُری بات نکالتا ہے تو دل تاریک ہو جاتا ہے اور جب حق بات کہتا ہے تو دل روشن ہو جاتا ہے۔

زبان کی نزاکت و اہمیّت

تو زبان کا معاملہ بڑا ہی نازک ہے فرمانبرداری بھی کرتی ہے اور نافرمانی بھی کرتی ہے" فائدہ مند بھی ہے اور ضرر رساں بھی ہے یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ اٰدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ اِتَّقِ اللّٰهَ فِيْنَا فَاِنَّا نَحْنُ بِكَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَا وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا۔ (ترمذی شریف جلد ۲، صفحہ ۶۳)

جب انسان صبح کرتا ہے تو سارے اعضاء زبان کے روبرو عاجزی کرتے ہیں کہ ہمارے معاملہ میں اللہ سے ڈرتی رہ، اس لیے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اگر تو راست ہے تو ہم سب راست ہیں، اگر تو کج ہے تو ہم سب کج ہو جائینگے
مشہور محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:

اَمَّا تَعَلُّقُ الْاَعْضَاءِ جَمِيْعُهَا بِاللِّسَانِ وَهُوَ اَنَّ اللِّسَانَ مِنْ اَعْضَاءِ الْاِنْسَانِ اٰلَةُ الْبَيَانِ لِلْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ فَمَعَ اِسْتِقَامَةِ تَنْفَعُهُ اِسْتِقَامَتُهُ سَائِرَ الْاَعْضَاءِ وَمَعَ اِعْوِجَاجَةِ تُبْطِلُ اَحْوَالَهَا۔ (مرقات جلد ۹، صفحہ ۱۵۱)

بہر حال سارے اعضاء کا زبان سے تعلق ہونا اس طرح پر ہے کہ زبان اعضائے انسانی میں سے ایسا عضو ہے جو کہ کفر و ایمان کے بیان کا آلہ ہے اس لیے

زبان کی استقامت نفع بخش ہوتی ہے اور اس کی کجی بہ ضرر رساں ہوتی ہے دیگر اعضاء کے احوال و اعمال کے لیے۔

زبان کے دینی و دُنیوی نقصان

زبان کے سلسلہ میں عموماً بے احتیاطی ہوتی ہے کہ جو مُنہ میں آیا بغیر سوچے سمجھے اسے کہہ دیا، حالاں کہ زبان کی بے احتیاطی سے کتنے نقصانات ہوتے ہیں، آئے دن جو جھگڑے اور ہنگامے ہوتے رہتے ہیں اگر دیکھا جائے تو اکثر اس کی بنیاد زبان کی بے احتیاطی اور اس کا بیجا استعمال نکلے گا، دنیوی نقصان کے ساتھ اُخروی نقصان بھی ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ تفریح کے طور پر کوئی بات کہہ دی لیکن اس کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے۔

چناں چہ حدیث میں ہے:

اِنَّ الْعَبْدَ یَقُوْلُ الْکَلِمَۃَ لَا یَقُوْلُھَا اِلَّا لِیُضْحِکَ بِہِ النَّاسَ یَھْوِیْ بِھَا الْعَبْدُ مِمَّا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَاِنَّہٗ لَیَزِلُّ عَنْ لِسَانِہٖ اَشَدُّ مِمَّا یَزِلُّ عَنْ قَدَمِہٖ۔ (مشکوٰۃ جلد ۲، صفحہ ۴۱۳)

انسان لوگوں کے ہنسانے کے لیے ایک بات کہتا ہے تو اس کی وجہ سے دوزخ میں گر جاتا ہے زمین و آسمان کے مابین کی مسافت کے بقدر، انسان اپنی زبان سے زیادہ پھسلتا ہے بہ نسبت اپنے پیروں کے۔

معلوم ہُوا کہ انسان کو جہنم میں لے جانے والی چیز یہی زبان ہے، ایک موقعہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مُبارک کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کُفَّ عَلَیْکَ ھٰذَا زبان کو اپنے قابو میں رکھو، تو اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

يَا نَبِيَّ اللهِ وَاِنَّا لَمُوَاخِذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهٖ ۔

اے اللہ کے نبیؐ! جو باتیں ہم کرتے ہیں کیا اس پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَا مُعَاذُ هَلْ يُكِبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ اَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ ۔

اے معاذ تمہاری ماں تمہیں گم کردے، اس بات کو جان لو کہ لوگوں کو اُن کے مُنہ کے بل یا فرمایا پیشانی کے بل دوزخ میں گرانے والی اسی کی زبان کی بُری باتیں ہوں گی۔ (مشکوٰۃ جلد ۱، صفحہ ۱۴)

یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا اَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ

میرے متعلق سب سے زیادہ کس چیز سے آپ کو ڈر ہے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کو پکڑتے ہوئے فرمایا:

هٰذَا زبان کے شر سے (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۴۱۳)

غیبت کا نقصان اور اس کی شِدّت

آج کل شیطان زبان کے گناہ میں مبتلا کردیتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ کچھ نہ ہُوا۔ بڑے بڑے گناہ جس میں آج کل عام ابتلاء ہے، بدگمانی، بدگوئی، بدنگاہی اور حسد ہے غیبت یہ ایسا گناہ ہے کہ جس میں شیطان اہلِ صلاح کو بھی مبتلا کردیتا ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا ۔ غیبت جو زبان کا گناہ ہے زنا سے زیادہ شدید ہے

صحابہ کو اس پر تعجب ہوا کہ غیبت زنا سے کیسے شدید ہے تو انہوں نے سوال کیا:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ الْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا ۔

یا رسول اللہ غیبت کس طرح زنا سے زیادہ شدید ہے ؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا ۔

اِنَّ الرَّجُلَ لَیَزْنِیْ فَیَتُوْبُ فَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِیْبَۃِ لَا یُغْفَرُ لَہٗ حَتّٰی یَغْفِرَھَا لَہٗ صَاحِبُہٗ (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۴۱۵)

انسان زنا کرتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتے ہیں اور غیبت کرنے والے کی معافی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک کہ صاحبِ معاملہ اس کو معاف نہ کرے ۔

معلوم ہوا کہ غیبت کا گناہ زنا سے اس لیے بڑھا ہوا ہے کہ زنا کو اللہ تعالےٰ توبہ اور استغفار سے معاف کر دیں گے ۔ مگر غیبت کی توبہ ہی نہیں سوائے اس کے کہ صاحب حق سے معاف کرایا جائے ۔ جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی مانگی جائے اگر کوئی ہزار رکعتیں اور حج و صدقات کا ثواب لے کر معاف کرنا چاہے تو دینا پڑے گا لہٰذا نیکیاں اور طاعات خوب ہوں مگر غیبت کرنے پر سب دوسروں کے اعمال نامہ میں چلی جائیں گی ۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو فرمایا کہ ہمارے مشائخ غیبت نہ کرنے پر بیعت لیتے اور اتنا احتیاط کرتے کہ اس زمانہ کے ایک بزرگ حضرت افضل الدین رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ کسی کو اس شرط پر مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دیتے کہ کسی کی غیبت نہ کرے گا ورنہ مجلس سے اُٹھا دیتے ۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دعوت میں تشریف لے گئے اس نے غیبت شروع کر دی، آپؒ نے فرمایا لوگ روٹی پہلے کھلاتے ہیں، تم نے

بوٹی پہلے کھلادی اور بغیر کھائے اُٹھ گئے۔

فضول گوئی کا انجام

حکیم الاُمت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بزرگوں نے اِس میں یعنی زیادہ بولنے میں یہ نقصان دیکھا کہ اس کے ہوتے ہوئے گناہوں سے بچنا مشکل ہے، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ زیادہ بک بک کرتے ہیں وہ جھوٹ اور غیبت میں ضرور مُبتلا ہو جاتے ہیں اور کثرتِ کلام کے ساتھ ہر بات سوچ کر کرنا جو تدبیر ہے معاصیٔ لسان سے بچنے کی، دُشوار ہے اور اگر بالفرض کوئی گناہوں سے بچا بھی رہا تو ایک نقصان سے کسی طرح بچ ہی نہیں سکتا، وہ نقصان کیا ہے۔

دل زپُر گفتن بمیرد در بدن گرچہ گفتارت بود دُرِّ عدن

دل بہت بولنے سے بدن میں مرجاتا ہے، اگرچہ تیری گفتگو عدن کا موتی ہو۔ یعنی کثرتِ کلام سے دل مرجاتا ہے، ظلمت پیدا ہو جاتی ہے، قساوتِ قلب پیدا ہو جاتی ہے (تقلیل الطعام صفحہ ۶۲) ایک اور موقعہ پر فرماتے ہیں کہ اعمال واحوال سے جو نورِ قلب میں پیدا ہوتا ہے وہ اس زبان کی بے احتیاطی سے اکثر زائل ہو جاتا ہے۔ بس اسباب کو جمع کرنے کے ساتھ موانع کو بھی رفع کرنا چاہیے تب ثمرہ مرتب ہوگا۔ (انفاس عیسیٰ صفحہ ۱۸۴)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں کہ حضرات عارفین کا مشاہدہ ہے کہ ضروری گفتگو دن بھر ہوتی رہے تو اس سے قلب پر ظلمت کا اثر نہیں ہوتا۔ چناں چہ ایک کنجڑا دن بھر "لے لو امرود" پکارتا پھرے تو ذرہ برابر قلب میں اس سے ظلمت نہ آئے گی کیوں کہ بضرورت ہے اور بے ضرورت ایک جملہ بھی زبان سے نکل جائے تو دل سیاہ ہو جاتا ہے (انفاس عیسیٰ صفحہ ۱۸۵)

حیاتِ قلب کی اہمیّت

قلب میں ظلمت اور قساوت سے کیا ہوتا ہے ؟ اس سلسلہ میں حضرت حکیمُ الاُمّت رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ بلا ہے کہ جس کے بعد کسی گناہ میں مُبتلا ہو جانا بھی بعید نہیں، ساری طاعات کا مدار حیاتِ قلب پر ہے نیک کاموں کی توفیق نُورِ قلب سے ہوتی ہے اور تمام معاصی کا منشاء قساوت و ظلمتِ قلب ہی ہے جب قلب میں حیات و نور ہی نہ رہا بلکہ اس کے بجائے قساوت و ظلمت پیدا ہو گئی تو اب یہ شخص سب گناہوں کے قابل ہو جاتا ہے ۔ پس کثرتِ کلام کے ساتھ گناہوں سے بچنا چند دن کا ہوتا ہے پھر معاصی کی طرف میلان ہونے لگتا ہے
(تقلیل الطعام صفحہ ۶۳)

کم گوئی کا فائدہ

تو زبان کی بے احتیاطی کے یہ نقصانات اور خرابیاں ہیں اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ بولنے میں احتیاط برتی جائے ۔ بقدرِ ضرورت زبان کو استعمال کیا جائے ۔ چناں چہ نبیِ کریمؐ نے فرمایا :

اَلصَّمتُ حِکَمٌ وَقَلِیلٌ فَاعِلُہٗ (کنوز الحقائق علی ہامش الجامع الصغیر جلد ۲ ص ۳)

خاموشی حکمت ہے اور اس پر عمل کرنے والے تھوڑے ہیں ۔

ایک حدیث میں ہے ۔

من صمت نجا ۔ جو خاموش رہا اس نے نجات پائی ۔ (مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۴۱۳)

ایک اور حدیث میں ہے ۔

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ یَصْمُتْ ۔

جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ گفتگو کرے تو اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے ۔ (ریاض الصالحین صفحہ ۵۷۴)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں :

هٰذَا الْحَدِيْثُ صَرِيْحٌ فِيْ اَنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ لَّا يَتَكَلَّمَ اِلَّا اِذَا كَانَ الْكَلَامُ خَيْرًا وَهُوَ الَّذِيْ ظَهَرَتِ الْمَصْلِحَةُ وَمَنْ شَكَّ فِيْ ظُهُوْرِ الْمَصْلِحَةِ فَلَا يَتَكَلَّمُ (ریاض الصالحین صفحہ ۴، ۵)

یہ حدیث صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کے لیے مناسب ہے کہ گفتگو خیر ہی کی کرے اور عمدہ گفتگو وہی ہے جس کا کہنا مفید ہو اور جس بات کا مفید ہونا مشکوک ہو اس کو زبان سے نہ نکالے۔

بولنے میں احتیاط یہ کمال ہے

معلوم ہوا کہ کم بولنا اور بولنے میں احتیاط کرنا یہ خوبی اور کمال کی بات ہے۔ اہل اللہ اور بزرگانِ دین زبان کے سلسلہ میں محتاط رہتے تھے تاکہ کہیں اس کا گناہ نہ ہو جائے اور اس کے لیے تدبیریں اختیار کرتے تھے، حضرت ربیعؒ کا معمول تھا کہ

اِذَا اَصْبَحَ وَضَعَ قِرْطَاسًا نَقِيًّا وَقَلَمًا فَتَكَلَّمَ تَكَلَّمَ بِهٖ كَتَبَهٗ ثُمَّ يُحَاسِبُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْمَسَاءِ هٰذَا ۔ (مرقات جلد ۹ صفحہ ۱۵۲)

جب صبح ہوتی تو اپنے پاس ایک سادہ کاغذ اور قلم رکھ لیتے اور جب گفتگو کرتے تو اس کو لکھ لیتے پھر شام کے وقت اس سلسلہ میں اپنے نفس سے محاسبہ کرتے

حضرت حکیم الاُمّت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ ایک بزرگ کسی کے یہاں تشریف لے گئے، دروازہ پر پہنچ کر پکارا، اندر سے جواب آیا کہ نہیں ہیں، پوچھا کہاں ہیں؟ جواب ملا خبر نہیں، تو یہ بزرگ صرف اتنی بات پر تیس برس تک روتے رہے کہ میں نے ایسا فضول سوال کیوں کیا کہ کہاں ہیں؟ میرے نامۂ اعمال میں فضول بات درج ہو گئی حالاں کہ مومن کی شان یہ ہے کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ

عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۔ (کمالات اشرفیہ صفحہ ۲۸۷) جب ان حضرات کا یہ معاملہ ہے تو ہم لوگوں کو تو اور بھی زیادہ زبان کی حفاظت کرنا ضروری ہے ۔

کلام کے اقسام اور اُن کا حکم

اس لیے جب گفتگو کی جائے تو پہلے سوچ لیا جائے کہ جو بات کہنا ہے وہ مناسب ہے یا نہیں، اگر مناسب ہے تو کہے ورنہ خاموشی بہتر ہے ۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے باتوں کی چار قسمیں بتائی ہیں :

۱، ھُوَ ضَرَرٌ مَحْضٌ وہ باتیں جن سے محض ضرر و نقصان ہوتا ہے

۲، مَا فِیْہِ ضَرَرٌ وَ مَنْفَعَۃٌ وہ باتیں جو نفع و ضرر کے دونوں پہلو لیے ہوئے ہوتی ہیں ۔ ۳، مَا لَا مَنْفَعَۃٌ فِیْہِ وَلَا ضَرَرٌ فَھُوَ فُضُوْلٌ ۔

وہ باتیں جو نہ نفع بخش ہیں نہ ضرر رساں وہ فضول ہوتی ہیں ۔ چہارم وہ باتیں جو محض مفید اور کار آمد ہوتی ہیں ۔

اب سوال یہ ہے کہ ان میں کن باتوں کو اختیار کیا جائے اور کن باتوں سے پرہیز کیا جائے ؟ تو فرماتے ہیں کہ پہلی قسم کی باتوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے فَلَا بُدَّ مِنَ السُّکُوْتِ عَنْہُ دوسری قسم کی گفتگو کا بھی یہی حکم ہے ۔ اب رہ گئی تیسری قسم کی گفتگو جو کہ فضول ہے اس میں مشغول ہونا اضاعت وقت اور نقصان کے علاوہ اور کچھ بھی حاصل نہیں ۔

اَلْاِشْتِغَالُ بِہٖ تَضْیِیْعُ زَمَانٍ وَ ھُوَ عَیْنُ الْخُسْرَانِ ظَاھِرًا

اس میں مشغول ہونا یہ اضاعت وقت ہے جس کا عین خسران ہونا ظاہر ہے

اب رہ گئیں وہ باتیں جن میں صرف نفع کا پہلو ہے تو ان میں بھی کبھی ایسی چیزوں کی آمیزش ہو جاتی ہے جو نقصان دہ ہوتی ہیں ۔

فَلَا یَبْقٰی اِلَّا الْقِسْمُ الرَّابِعُ وَفِیْهِ خَطَرٌ اِذْ قَدْ یَخْرُجُ بِهٖ مَا فِیْهِ اِثْمٌ

اب صرف چوتھی قسم باقی رہ گئی، اس میں بھی نقصان کا خطرہ ہے کیوں کہ بسا اوقات اس میں بھی معصیت اور گناہ کی آمیزش ہو جاتی ہے (مرقات جلد صفحہ ۱۴۹)

حاصل یہ کہ زبان کی حفاظت ضروری ہے کہ اس پر دار و مدار ہے نجات کا۔

آسان اور کثیر الثواب اعمال کا اہتمام چاہیے

اسی کے ساتھ ایسے چھوٹے چھوٹے کام کثرت سے کیے جائیں کہ جن پر زیادہ ثواب ہے، جیسا کہ میں اکثر طالبین اور طلبہ سے کہا کرتا ہوں کہ مثلاً جمعہ کے ایسے چند اعمال ہیں کہ ان کا ثواب زیادہ ہے اور کام بہت سہل اور آسان ہے اور اس کا بار بار مذاکرہ کیا جاتا رہے تاکہ یاد دہانی اور استحضار رہے جس سے عمل میں آسانی ہو جائے گی، وہ اعمال یہ ہیں، ۱ر غسل کرنا، ۲ر اچھے کپڑے پہننا، ۳ر جمعہ کے لیے جلدی جانا، ۴ر پیدل جانا، ۵ر امام کے قریب بیٹھنا، ۶ر خطبہ غور سے سننا، ۷ر کوئی لغو کام نہ کرنا، ان اعمال کے کرنے پر فرمایا گیا:

بِکُلِّ خُطْوَۃٍ عَمَلُ سَنَۃٍ اَجْرِ صِیَامِهَا وَقِیَامِهَا۔

(ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، بحوالہ مشکوٰۃ شریف جلد ا صفحہ ۱۲۲)

ہر ہر قدم پر ایک سال نفل روزے اور نماز کا ثواب ملے گا۔

مشہور محدث ملا علی قاری اس حدیث کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

قَالَ بَعْضُ الْاَئِمَّۃِ لَمْ نَسْمَعْ فِی الشَّرِیْعَۃِ حَدِیْثًا صَحِیْحًا مُشْتَمِلًا عَلٰی مِثْلِ هٰذَا الثَّوَابِ۔ (مرقات جلد ۳، صفحہ ۲۵۶)

بعض ائمہ حدیث نے فرمایا کہ ہم نے شریعت اسلامیہ میں ایسی فضیلت والی صحیح حدیث نہیں سنی۔

تو کہہ رہا تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نجات کے لیے پہلی بات یہ ارشاد فرمائی کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔

بلاضرورت گھر سے نہ نکلا جائے

دوسری بات ارشاد فرمائی
وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ

"بلاضرورت اپنے گھر سے نہ نکلو"، تمہارا گھر وسیع ہونا چاہیے کیوں کہ آدمی کو گھر میں راحت ہوگی تو بازار اور دیگر جگھوں پر کم جائے گا ورنہ بلاضرورت بازار میں اِدھر اُدھر گھومے گا اور گناہ کا سبب بنے گا۔ حدیث میں ہے کہ:

اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا۔ (مشکوٰۃ جلد ۱، صفحہ ۶۸)

اللہ تعالٰی کے نزدیک شہروں میں محبوب ترین مقامات مساجد ہیں اور ناپسندیدہ مقامات بازار ہیں۔

مگر ظاہر ہے کہ یہ تو ان لوگوں کے لیے ہے جو بلاضرورت بازار میں جائیں ورنہ جن کے کاروبار ہیں ان کو تو بازار میں رہنا ہی ہے اور اُن کے لیے بازار میں بیٹھنا باعثِ ثواب ہے کیوں کہ یہ کسب حلال کا ذریعہ ہے اور کسب حلال فرض ہے۔ فرمایا گیا:

طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ (مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۴۲)

حلال کمائی کی طلب یہ فریضہ ہے ایمان کے بعد۔

اس لیے کہ حلال اور طیب کمائی یہ بنیاد ہے تقوٰی اور پرہیزگاری کی اور کاروبار اور تجارت کرنا یہ اس کا ذریعہ ہے اور ذریعہ بھی فریضہ ہی ہے۔

نگاہ محفوظ نہیں رہتی

بڑی وجہ یہ ہے کہ بازار میں نگاہ محفوظ نہیں رہتی بدنگاہی ہو جاتی ہے جو کہ بڑا گناہ ہے حدیثِ پاک میں اس کو آنکھوں کا زنا کہا گیا ہے :

اَلْعَیْنَانِ زِنَاھُمَا النَّظَرُ۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے۔ (مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۰)

یہ بھی ان گناہوں میں سے ہے جس سے بچنے کا بڑا اہتمام چاہیے کیوں کہ یہ ذریعہ بن جاتا ہے بدکاری وغیرہ کا۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بازار میں جاتا ہوں تو نگاہ پڑ جاتی ہے تو فوراً جھکا لیتا ہوں۔ حکیم الاُمت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا خواجہ صاحبؒ میرا حال یہ ہے کہ جب ریل میں سفر کرتا ہوں اور کہیں کراس ہوتا ہے دوسری طرف گاڑی آتی ہے تو کھڑکی سے جھانکتا نہیں کہ کہیں دُوسری طرف سے کوئی عورت نہ جھانک رہی ہو اور میری نظر اس پر پڑ جائے تو مجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں کہ میں نگاہ جلد پھیر لوں گا اس لیے ایسی احتیاط کی جاتی ہے۔ جو لوگ مجھ سے محبّت کرتے ہیں، دینی تعلق رکھتے ہیں ان کو اس معاملہ میں کس قدر احتیاط چاہیے خود ہی سوچ لیں۔ اللہ اکبر کیسا احتیاط ان بزرگوں کا ہے۔

یہ فیصلہ کس قدر غلط ہے؟

تو اسی طرح پرانوں کو بھی احتیاط کرنا چاہیے کہ غلطی تو پُرانے اماموں اور مدرسین سے بھی ہو جاتی ہے مگر لوگ ایک مرتبہ کی غلطی سے پُوری جماعت علماء کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم اپنے بچّوں کو دینی تعلیم کیسے دیں؟ جب دینی معلمین کا یہ حال ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ گاڑیوں اور بسوں و موٹروں کا ایکسیڈنٹ کس سے ہوتا ہے؟ کون کرتا ہے؟ پُرانے ڈرائیور یا نئے ڈرائیور؟ تو ظاہر ہے کہ اگر ہونے والے واقعات و حادثات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا اکثر ایکسیڈنٹ پُرانے

ڈرائیوروں سے ہوتے ہیں اور نئے سے کم ہوتے ہیں، کبھی کبھی ہوتے ہیں، مگر اس لیے کوئی سفر کرنا ترک نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر بعض مرتبہ بعض معلمین سے غلطی سے نگاہ کی چُوک ہو جائے تو یہ فیصلہ کرنا کس قدر غلط ہے؟ اور یہ فیصلہ دراصل نفس کی شرارت ہے اور شیطان کا فریب ہے کہ اس بہانہ سے دین کی تعلیم سے محروم کرنا چاہتا ہے

دونوں باتوں میں ربط

بہرحال پہلی بات تو ارشاد فرمائی کہ زبان کو قابو میں رکھو اور کم گوئی کی عادت ڈالو ظاہر ہے یہ اُسی وقت ہوگا جب کہ لوگوں سے اختلاط کم ہو، بقدرِ ضرورت مِلنا جُلنا ہو، کیوں کہ لوگوں سے میل جول کر کے زبان کو سنبھالنا دشوار ہے اس لیے کم بولنے کی سہل اور آسان صُورت یہ ہے کہ بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے اسی کو لِیَسَعْكَ بَیْتُكَ میں فرمایا گیا۔

ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی

مشہور محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

بِاَنْ تَكُنْ فِيْهِ وَلَا تَخْرُجَ مِنْهُ اِلَّا لِضُرُوْرَةٍ وَالْمُرَادُ الْاِشْتِغَالُ بِاللّٰهِ وَالْمُؤَانِسَةُ بِطَاعَتِهِ وَالْخَلْوَةُ مِنَ الْاَغْيَارِ (مرقات جلد ۹ صفحہ ۱۵)

گھر میں رہو اور بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلو، مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ مشغول رہو، اس کی اطاعت میں اور اغیار سے خلوت میں رہو۔

ایسی خلوت کہ جس میں انسان حق تعالےٰ کے ساتھ مشغول رہے جس کی بنا پر نگاہ کی بھی حفاظت، کان کی بھی حفاظت اور دل کی بھی حفاظت، غرضیکہ بہت سے گناہوں سے حفاظت ہو گئی تو یہ کتنی نافع ہے اور اس میں کتنی عافیت ہے، اسی لیے کہا گیا ہے ؎

ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را

چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک حکایت بیان فرمائی ہے

بزرگے دیدم اندر کوہسارے نشستہ از جہاں در کنج غارے

(ایک پہاڑ میں مَیں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو دُنیا سے علیحدہ ہو کر ایک غار کے گوشے میں بیٹھے تھے۔)

چرا گفتم بشہر اندر نیائی کہ بارے بندے از دل برکشائی

(مَیں نے ان سے کہا کہ آپ شہر میں کیوں نہیں آتے کہ کبھی آپ کے دیدار سے ہمارے دل کی کلی کھل جاتی)

تو اُن بزرگ نے کہا کہ وہاں خوبصورت عورتیں ہیں اور قاعدہ ہے کہ

چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند (جب کیچڑ زیادہ ہوتی ہے تو ہاتھی پھسل جاتے ہیں)

تو ان بزرگ نے بھی میل جول کی مضرت بتلائی کہ اس میں بدنگاہی ہو جاتی ہے جس سے بچنا بعض مرتبہ مشکل ہو جاتا ہے۔

کثرتِ اختلاط کے نقصانات

حضرتِ والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیادہ میل جول میں یہ نقصان ہے کہ جتنا وقت اختلاط میں صرف ہوتا ہے اتنی دیر یہ شخص بے کار رہتا ہے دین کا کوئی کام اس سے نہیں ہوتا، رہا یہ کہ مسلمانوں سے ملنے میں بھی ثواب ہے تو اس سے مُراد بقدرِ ضرورت ملنا ہے، اپنے پاس آنے والوں کی تواضع دس منٹ میں ہو سکتی ہے، اس کے لیے گھنٹے صرف کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے، زیادہ میل جول میں معمولات کی پابندی نہیں ہو سکتی، ایک کام لے کر بیٹھے تھے کوئی ملنے آگیا تو کام رخصت ہُوا اب تو باتوں میں گھنٹے لگا دیئے جاتے ہیں جس سے سارے کاموں کا پٹڑا ہو جاتا

ہے تو ایسا شخص ہمیشہ پریشان رہتا ہے دوسرے اختلاط میں خاموشی دشوار ہے، خواہ مخواہ بولنا ہی پڑتا ہے جس میں اکثر غیبت و شکایت میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے، تیسرے کثرت اختلاط سے باہم دوستی ہو جاتی ہے جس میں بعض دفعہ اپنے راز دوسرے پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ دوست اپنے دوسرے دوستوں پر ان رازوں کو ظاہر کر دیتا ہے کیوں کہ اس کو اُن پر ویسا ہی اعتماد تھا جیسا کہ تم کو اس پر، مگر بعض دفعہ ان میں کوئی تمہارا دشمن ہوتا ہے جو راز کو معلوم کر کے تم کو ضرر پہنچا دیتا ہے، نیز بعض دفعہ خود آپ کا دوست ہی بدل جاتا ہے اور دوست جب دشمنی پر آمادہ ہوتا ہے تو وہ اور دشمنوں سے زیادہ ایذا دیتا ہے، پھر دشمنی سے دُنیا کا ضرر تو ہوتا ہی ہے دین کا بھی نقصان ہوتا ہے، کیوں کہ اس صورت میں اطمینان قلب فوت ہو جاتا ہے اور اطمینان قلب سب کاموں کی جڑ ہے، تو اختلاط میں یہ کتنا بڑا ضرر ہے۔

(تقلیل الطعام مختصراً صفحہ ۶۳)

عافیت کا راستہ یہی ہے

اس لیے ان تمام مضرتوں سے حفاظت کا ذریعہ یہی ہے کہ زیادہ تر وقت اگر باہر کام نہ ہو تو گھر میں گزارے، عافیت اسی میں ہے، اسی میں نفس کی اور نگاہ کی بھی حفاظت ہے۔

مشہور محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَاِنَّهٗ سَبَبُ الْخَلَاصِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَالشَّرِّ۔

یہ کام شر اور فتنہ سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

بالخصوص آج کے شرور و فتن کے دور میں جب کہ قدم قدم پر دینی اعتبار سے نقصان دہ چیزیں موجود ہیں کہ اس میں گناہوں سے بچنا مشکل ہے تو اس میں اور

زیادہ اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

وَلِذَا قِيلَ هٰذَا زَمَانُ السُّكُوْتِ وَمُلَازَمَةُ الْبُيُوْتِ وَالْقَنَاعَةُ بِالْقُوْتِ حَتّٰى يَمُوْتَ۔ (مرقات جلد ۹، صفحہ ۱۵۰)

اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ زمانہ سکوت کا ہے اور گھروں میں چپکے رہنے کا ہے اور بقدر ضرورت معاش پر قناعت کا ہے، یہاں تک کہ موت آ جائے۔

بہر حال نجات کے لیے دوسری چیز یہ ہے کہ بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے۔

اپنی خطاؤں پر رونا چاہیے

تیسری بات ارشاد فرمائی:

وابك على خطيئتك

"اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو"۔ یعنی اپنی غلطی اور خطاؤں پر روؤ، گناہ پر باقی نہ رہو، اصرار کر کے جمنا بہت بری بات ہے، اسی لیے خدا کی نافرمانی ہو تو خدا کے سامنے رونا، معافی چاہنا اور بندوں کی خطا ہو تو ان سے معافی چاہنا چاہیے، کیونکہ ارشاد فرمایا

كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ خَطَّاؤُنَ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ (مشکوۃ جلد ۱، صفحہ ۲۰۴)

تمام انسان خطاکار ہیں اور بہترین خطاکار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں، خدا سے معافی کی دعا کرنے والے ہیں۔

ہر شخص کو توبہ کرنا چاہیے

گناہوں سے پاک ہونا یہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے ان کے علاوہ جو لوگ ہیں وہ معصوم نہیں ہیں۔ قصور اور گناہ ہو سکتا ہے اس لیے ہر شخص کو توبہ کرنا چاہیے۔

قرآن پاک میں فرمایا گیا:

وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (پ ۱۸، ع ۱۰)

اور مسلمانوں تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

(ترجمہ از بیان القرآن جلد ۸ صفحہ ۱۴)

ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا (پ ۲۸، سورۃ تحریم)

اے ایمان والو تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو۔ (ترجمہ از بیان القرآن جلد ۱۲، صفحہ ۲۱)

توبہ کی حقیقت

اور توبہ کا حاصل یہ ہے کہ جو گناہ ہو گیا ہے اس پر ندامت اور شرمندگی ہو اور فی الحال اس کو چھوڑ دے اور اس سے الگ ہو جائے اور آئندہ اس کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو اس کی پروا نہ کریں کہ توبہ ٹوٹ جائے گی۔ جب توبہ ٹوٹ جائے تو فوراً دوبارہ پھر توبہ کرلیں مگر شرط یہ ہے کہ دل سے اس بات کا پختہ عزم ہو کہ اب یہ گناہ نہ کریں گے۔ اس طرح صدقِ دل سے توبہ کر کے سو بار بھی ٹوٹے تو کچھ پروا نہیں ہر دفعہ پھر توبہ کرتے رہیں۔ حدیث میں ہے:

مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً

جو شخص استغفار کرلے وہ گناہوں پر اصرار کرنے والوں میں نہیں اگرچہ ایک دن میں ستر مرتبہ گناہ کی طرف وہ عود کرے۔ (مشکوٰۃ جلد ۱، صفحہ ۲۰۴)

خلاصہ کلام

جو حدیثِ پاک میں نے پڑھی تھی اس کا حاصل یہ ہے کہ نجات کے لیے یہ تین باتیں ضروری ہیں جن کے اہتمام کرنے کا حضورؐ نے حکم فرمایا ہے

۱۔ زبان کو قابو میں رکھا جائے۔ ۲۔ بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلا جائے۔ ۳۔ اپنی خطاؤں پر رویا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان باتوں کی فکر و عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

امور سبعہ برائے تحصیل تسہیل عشرہ مذکورہ

مندرجہ ذیل سات باتوں کے اہتمام سے امور عشرہ مذکورہ بالا پر عمل میں ان شاءاللہ سہولت ہوگی

ا: دُعا کا خاص اہتمام کرنا۔ بالخصوص فرض نمازوں کے بعد اور اسی طرح تلاوتِ کلامِ پاک کے بعد۔

ب: اللہ تعالیٰ کے انعامات کو سوچنا (کم از کم ۵ منٹ) مثلاً انسان بنایا، پھر معاش ایسی دی کہ لاکھوں سے بہتر حالت ہے، پھر نعمتِ ایمان دے کر کروڑوں بلکہ اربوں سے بہتر بنایا، اس کے بعد خصوصی نعمتوں کو سوچے۔

ج: مطالعہ سیرتِ سید الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم مثلاً سیرت خاتم الانبیاءؐ (اوجز السّیر) مولفہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (مفتیٔ اعظم پاکستان) و مطالعہ سیرت صحابہ راشدین رضی اللہ عنہم و اولیاء فائزین رحمہم اللہ تعالیٰ۔

د: اہتمام صحبت صالحین ومتقین۔

ھ: محبت کاملین و محبّین۔

و: مکاتبت با عاملین و مصلحین۔

ز: مطالعہ کتب و ملفوظاتِ اکابرین بالخصوص ۱۔ اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۲۔ جزاء الاعمال ۳۔ حقوق الاسلام ۴۔ حیٰوۃ المسلمین ۵۔ حکایاتِ صحابہ۔ ۶۔ تبلیغ دین محشیؒ ۷۔ فضائل تبلیغ ۸۔ الافاضات الیومیہ ۹۔ حسن العزیز ۱۰۔ انفاس عیسیٰ ۱۱۔ سلسلہ مواعظ التبلیغ۔

امورِ عشرہ برائے اصلاحِ معاشرہ

از محی السنۃ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

یعنی وہ دس امور جن کے التزام سے دین کے دوسرے
احکام کی پابندی کی توفیق ان شاء اللہ ملیگی

۱، تقویٰ اور اخلاص کا اہتمام۔ تقویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ فرائض و واجبات و سنن مؤکدہ کی پابندی کرنا اور ممنوعات سے بچنا، اخلاص کا حاصل یہ ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہی کرنا۔

۲، ظاہری گناہوں میں سے بدنگاہی، بدگمانی، غیبت، جھوٹ، بے پردگی اور غیر شرعی وضع قطع رکھنے سے خصوصاً بچنا۔

۳، اخلاق ذمیمہ و رزیلہ میں سے بے جا غصہ، حسد، عُجب، تکبر، کینہ اور حرص وطمع پر خصوصی نگاہ رکھنا۔

۴، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا انفراداً و اجتماعاً بہت اہتمام رکھنا۔ ان کے احکام اور

آداب کو بھی معلوم کرنا۔ فضائل تبلیغ میں سے حدیث نمبر ۳ تا ۷ کو بار بار پڑھنا بالخصوص حدیث نمبر ۵ کو۔

۵ صفائی ستھرائی کا التزام رکھنا۔ بالخصوص دروازوں کے سامنے جن میں مساجد و مدارس کے دروازے خصوصاً توجہ کے مستحق ہیں ان کے سامنے زیادہ اہتمام صفائی کا رکھنا

۶ نماز کی سنن میں سے قرات، رکوع، سجدہ اور تشہد میں انگلی اٹھانے کے طریقہ کو سیکھنا نیز اذان واقامت کی سنن کو توجہ سے معلوم کر کے ان پر عمل کی مشق کرنا۔

۷ سنن عادات کا بھی خاص خیال رکھنا مثلاً کھانے پینے، سونے جاگنے، ملنے جلنے وغیرہ مسنون طریقہ پر عمل کرنا۔

۸ کم از کم ایک رکوع کی تلاوت روزانہ کرنا اور اس میں کلام پاک کے حسن وجمال کی زیادہ سے زیادہ رعایت کرنا۔ یعنی قواعد اخفاء واظہار، معروف ومجہول وغیرہ کا لحاظ رکھنا اور درود شریف کم از کم ۱۱ مرتبہ ہر نماز کے بعد پڑھنا، ایک تسبیح کسی نماز کے وقت تین سو مرتبہ روزانہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

۹ پریشان کن حالات ومعاملات میں یہ سوچ کر شکر کرنا کہ اس سے بڑی مصیبت وپریشانی میں مبتلا نہیں ہوا۔ مثلاً بخار آنے پر یہ سوچنا کہ پیشاب تو بند نہیں ہوا ہے، فالج، جنون اور قلبی امراض سے تو بچا ہوا ہوں نیز یہ اعتقاد رکھنا کہ بیماری سے گناہ معاف ہو رہے ہیں یا اس پر اجر وثواب ہوگا۔

۱۰ اپنے شب وروز کے اعمال کا شرعی حکم معلوم کرنا جن کا علم نہیں ہے کہ آیا وہ اوامر یعنی فرض، واجب سنتِ موکدہ، سنت غیر موکدہ، مستحب ومباح میں سے ہیں یا نواہی یعنی کفر وشرک حرام، مکروہ تنزیہی یا تحریمی میں سے اور جو اعمال خدانخواستہ منکرات کے قبیل سے معلوم ہوں ان کو جلد از جلد ترک کرنا۔

ہمارے ملک میں چھوٹے بڑے دینی مدارس و مکاتب کا ایک سلسلہ قائم ہے جو کہ قناعت و استغنا اور توکل علی اللہ کو اپنا سرمایہ بنائے ہوئے دینی تعلیم و تربیت کے اہم کام میں مصروف ہیں۔ ان مدارس نے دین اسلام کا اس کے مزاج و کردار اور پوری خصوصیات کے ساتھ صرف تحفظ ہی نہیں کیا بلکہ مِلّت کے کروڑوں افراد اور ان کی آنے والی نسلوں کی حیاتِ ایمانی اور اسلامی تہذیب و تمدن سے وابستگی میں جو نمایاں کردار ادا کیا ہے وہ تاریخ کا ایک زرّیں باب ہے اس کے باوجود ایک طبقہ ایسا ہے جو دینی مدارس کی افادیت کا قائل نہیں ہے ساتھ ہی ان کے وجود کو غیر ضروری سمجھتا ہے چنانچہ اسکی یہ کوشش رہتی ہے کہ ان مدارس و مکاتب کو جدید تعلیم کے لیے استعمال کیا جائے جو کہ ملک و ملت کے حق میں مفید ہوگا۔

اس سلسلہ میں حکیم الاُمّت مجدد المِلّت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کا درج ذیل ارشاد گرامی مشعلِ راہ ہے۔

اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اس وقت علوم دینیہ کے مدارس کا وجود مسلمانوں کے لیے ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق متصور نہیں۔ دنیا میں اگر اسلام کی بقا کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں کیونکہ اسلام نام ہے خاص عقائد و اعمال کا جس میں دیانت، معاملات، معاشرات اور اخلاق سب داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ عمل موقوف ہے علم پر اور علوم دینیہ کی ہر چند کہ فی نفسہٖ مدارس پر موقوف نہیں مگر حالات وقت کے اعتبار سے ضرور مدارس پر موقوف ہے۔ [1]

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں کہ مدارس اسلامیہ میں بے کار پڑے رہنا بھی انگریزی میں مشغول ہونے سے لاکھوں کروڑوں درجہ بہتر ہے اس لیے گو لیاقت اور کمال حاصل نہ ہو لیکن کم از کم عقائد تو خراب نہ ہوں گے اور مسجد کی جاروب کشی اس وکالت اور بیرسٹری سے بہتر ہے جس میں ایمان میں تزلزل ہو اور خدا رسول صحابہؓ اور بزرگانِ دین کی شان میں بے ادبی ہو جو انگریزی کا اس زمانہ میں اکثر یہی بلکہ لازمی نتیجہ ہے ہاں جس کو دین ہی کے جانے کا غم نہیں وہ جو چاہے کہے اور کرے۔ [2]

[1] تجدید تعلیم و تبلیغ صفحہ ۶۶ [2] تجدید تعلیم و تبلیغ صفحہ ۱۰۷

عبادت کا عجیب گُر
دِل کیوں نہیں لگتا طاعتوں میں
اِس فکر کے پاس بھی نہ جانا
دِل لگنا کہاں ہے فرض تجھ پر
تیرا تو ہے فرض دِل لگانا
مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

القول العزیز

دل تجھ کو دیا حق نے تو حق اس کا ادا کر
سب چھوڑ خیالات تو بس یادِ خدا کر
اللہ نے بخشے تجھے اعضائے طاعت
کر ایک یہی کام نہ کچھ اس کے سوا کر

مجذوب رحمۃ اللہ علیہ